تبلیغی کام کو سیرت پر لانے کی حقیقت

مولانا محمد سعد صاحب جماعت کے کام کو سیرت پر لانے کا دعوی کر رہے ہیں
اس رسالے میں اس کا علمی و تحقیقی جائزہ لیا گیا ہے

بیان

حضرت مولانا محمد عبد المالک صاحب دامت برکاتہم

رئیس شعبہ تخصص فی علوم الحدیث، مرکز الدعوۃ الاسلامیہ، ڈھاکہ

ناشر
مفتی خضر محمود قاسمی
فاضل دار العلوم دیوبند
9538740400

عرض ناشر

تقریبا دو ماہ پہلے بنگلہ دیش کی معروف ومشہور علمی شخصیت ، شیخ عبد الفتاح ابوغدہ اور حضرت مولانا عبدالرشید نعمانی رحمہا اللہ کے خصوصی شاگرد رشید،علوم حدیث کے متبحر عالم دین حضرت اقدس مولانا محمد عبد المالک صاحب دامت برکاتہم کا ایک بیان کسی نے میرے موبائل پر بھیجا تھا،تقریبا آدھے گھنٹہ کے اُس بیان کو سن کر برجستہ احقر نے اپنے متعلقین سے عرض کیا کہ اس بیان میں مولانا محمد سعد صاحب کی فکری بے راہ روی کی بنیاد پر جس طرح عالمانہ اور بصیرت افروز گفتگو کی گئی ہے اور ان کے غلط افکار کے تعاقب میں جو اصولی بحث کی گئی ہے، وہ یقینا توجہ کے قابل ہے۔

احقر نے اپنی کتاب **مولانا محمد سعد صاحب سے متعلق دار العلوم دیوبند کے موقف اور فتوی کا پس منظر** میں اس موضوع کا اجمالا ذکر کیا تھا،مناسب معلوم ہوتا ہے کہ اس کے چند اقتباسات یہاں ذکر دیے جائیں:

> مولانا سعد صاحب اور اُن کے معتقدین کا اس وقت سب سے بڑا اور خوش نما نعرہ سیرت صحابہ کا ہے، اب یہ رجحان پیدا ہو چکا ہے کہ صحابہ کرام کے بعد سے آج تک دعوت کو مولانا نے جس طرح سیرت سے ثابت کیا ہے، ایسا کسی نے نہیں کیا،اُن کا خیال ہے کہ ہم دعوت کو حال یا ماضی کے اشخاص سے سمجھنے کے بجائے براہِ راست سیرت صحابہ سے سمجھیں گے، یہ بات تقریباً ہر بیان میں آتی ہے۔
>
> براہِ راست سیرت صحابہ سے اخذ واستنباط کا عزم اور اپنی نص فہمی کو علمائے حق پر پیش کیے بغیر ترجیح دینا اور عوام میں شدت واصرار کے ساتھ چلا دینا ایک خطرناک راستہ ہے۔اگر خدانخواستہ یہی صورت رہی،تو علمائے حق کا احساس کچھ ایسا ہے کہ اس کا انجام اُن ہی تحریکوں جیسا ہوگا، جو اپنے اپنے وقت میں کسی نہ کسی اسلامی نعرہ کے ساتھ اُٹھیں اور انجام کار کسی غیر اسلامی مقصد پر

آ کر ختم ہوگئیں؛ اس لیے کہ تفردات پر اصرار کی وجہ سے امت میں تفریق، انتشار وخلفشار اور فتنوں کا پیش آنا لازمی ہے، جس کی تاریخ شاہد ہے۔

بلا شبہ سیرت صحابہ کسوٹی ہے اور صحابہ کا علم وعمل معیار حق ہے؛ لیکن اُس سے اخذ کرنے والے اہل حق مستند علمائے امت ہی کا اخذ معتبر ہوسکتا ہے، سیرت صحابہ سے اخذ واستنباط میں مولانا کی رائے زنی سے علمائے حق کو سخت اختلاف ہے، اُن کے استنباطات سے اب یہ بات روزِ روشن کی طرح عیاں ہوچکی ہے کہ مولانا کو اس سے کوئی مناسبت نہیں ہے، اُن کی رائے ایک غیر صاحب فن اور غیر مبصر کے عقلی استنباط سے زیادہ کوئی درجہ نہیں رکھتی۔

ایسا محسوس ہوتا ہے کہ اُن کے نزدیک سلف صالحین کا اصول استنباط اور فہم نصوص قابل اعتبار نہیں ہے، تو اُن کے اصول پر خود اُن کا استنباط یا فہم نصوص دوسروں کے لیے کیسے قابلِ قبول ہوسکتا ہے، اس لیے شریعت کی تشریح وتعبیر میں اُن کی پیش کردہ آرا اور قیاسات فنی حیثیت سے زیادہ قبولیت کا کوئی مقام نہیں رکھتی ہیں۔اھ

حقیقت یہ ہے کہ حضرت مولانا عبد المالک صاحب دامت برکاتہم کا بیان سن کر مجھے بے حد بصیرت حاصل ہوئی، میری خواہش تھی کہ حضرت کا بیان رسالہ کی شکل میں شائع ہوکر ہر عالم دین تک ضرور پہنچنا چاہیے، میں اسی کوشش میں تھا کہ ایک ساتھی نے حضرت مولانا عبد المالک صاحب دامت برکاتہم ہی کا مرتب شدہ وہ بیان میرے پاس ارسال کیا۔

احقر اس رسالہ کو بعینہ شائع کررہا ہے، اللہ تعالی حضرت مولانا عبد المالک صاحب دامت برکاتہم کو جزائے خیر عطا فرمائے، بر وقت ایک محققانہ تجزیہ تحریر فرما کر اہل علم کی بصیرت کے لیے ایک بہترین سامان فراہم فرمایا ہے۔

خضر محمود قاسمی

فاضل دار العلوم دیوبند

بسم اللہ الرحمن الرحیم

الحمد لله، وسلام علی عباده الذین اصطفی، وأشهد أن لا إله إلا الله وحده لا شریک له، وأشهد أن محمداً عبده ورسوله، أما بعد!

پس منظر

گذشتہ ربیع الآخر ۱۴۴۰ھ کے اواخر میں محترمی ومکرمی حضرت مولانا حمایت الدین صاحب اس فقیر کو اپنے ساتھ زیارت حرمین کے لیے حجاز لے گئے، جزاہ اللہ تعالیٰ عنی خیر الجزاء۔ جمادی الاولیٰ کے اوائل میں مدینہ منورہ حاضری ہوئی، تو جس رات کو واپسی تھی اسی رات کو مسجد نبوی سے متصل دار طیبہ کی چودھویں منزل میں بعض احباب نے شیخ عبد الفتاح ابو غدہؒ اور حضرت مولانا محمد عبد الرشید نعمانیؒ کی نسبت کی وجہ سے الاوائل السنبلیّہ کی (جزوی) قراءت واجازت کے لیے ایک مجلس رکھ لی، مجلس کے آخر میں بعض ساتھیوں نے دیگر سوالات کے ساتھ یہ سوال بھی پیش کیا کہ جناب مولانا سعد صاحب حفظہ اللہ تعالیٰ کی طرف سے جو یہ دعویٰ کیا جا رہا ہے کہ وہ تبلیغ کے کام کو سیرت پر لانا چاہتے ہیں اس کی حقیقت کیا ہے، اور ان کا اصل شذوذ کیا ہے؟

چونکہ یہ سوال اصولی نوعیت کا تھا، اس لیے بندہ کو مناسب معلوم ہوا کہ اس سوال کا ذرا مفصل جواب دیا جائے، چناں چہ بعد عشاء اللہ تعالیٰ کے فضل وکرم سے صرف اسی سوال کے جواب پر گفتگو ہوئی، مجھے اندازہ نہیں تھا کہ اس بیان کی اتنی عام پذیرائی ہوگی، **فاللهم ما أمسى بي من نعمة أو بأحد من خلقك فمنك وحدك لا شريك لك، فلك الحمد ولك الشكر۔**

عجیب بات یہ ہے کہ ایک طالب علم نے جن کا مجھے نام بھی معلوم نہیں اس بیان

کو کاغذ میں منتقل کر کے نظرِ ثانی کے لیے میرے پاس بھیج دیا۔

لکھی ہوئی حالت میں اسے پڑھنے کے بعد بندہ کو محسوس ہوا کہ اس کا تحریری شکل میں محفوظ ہو جانا ان شاء اللہ تعالیٰ فائدے سے خالی نہیں ہوگا، چناں چہ بندہ نے اسے دوبارہ پڑھا اور حذف واضافہ اور تصحیح وترمیم کے بعد اس کی تبییض کر لی، جو حاضرِ خدمت ہے، اللہ تعالیٰ اسے قبول فرمائے اور اس سے اپنے بندوں کو فائدہ پہنچائے، آمین یارب العالمین۔

هذا، وصلى الله تعالىٰ وبارك وسلم على سيدنا ومولانا محمد وعلىٰ آله وصحبه أجمعين، والحمد لله رب العالمين۔

عرضگذار

بندہ محمد عبد المالک غفرلہ

یکے از خدّامِ مرکز الدّعوۃ الاسلامیّۃ ڈھاکہ

شبِ سہ شنبہ

۳۰/ جمادی الاولیٰ ۱۴۴۰ھ

دار التصنیف مرکز الدّعوۃ

شذوذ اور انحراف پر تبصرہ کرنا غیبت نہیں ہے

آجکل دعوت وتبلیغ کے بارے میں جو عالمی انتشار ہو رہا ہے، ایک صاحب نے ابھی سوال کیا ہے کہ اگر کسی کے شذوذ پر تبصرہ کیا جائے تو یہ غیبت میں داخل ہوگا کہ نہیں؟

یہ تو واضح ہے کہ کوئی آدمی شذوذ اختیار کرے، دینی امور میں شذوذ اختیار کرے، دینی امور میں احداث اور اختراع کا راستہ اختیار کرے، حالانکہ وہ دینی جماعت کا دینی ذمے دار ہے، دینی جماعت کا انتظامی ذمے دار نہیں، بلکہ دینی ذمے دار ہے، دینی جماعت کا انتظامی ذمے دار، مثلاً مہمانوں کے قیام وطعام کا نظم کرنا، وغیرہ یہ الگ چیز ہے؛ لیکن دینی جماعت کا دینی ذمے دار جو ہدایات جاری کرتا ہے، واپسی کا بیان کرتا، تعلیم اور دینی امور میں رہبری اور رہنمائی کرتا ہے، ایسا ذمہ دار اگر اہل سنت والجماعت سے شذوذ اختیار کرے، قرآن وحدیث کی غلط تشریح کرے، صحابہ کے واقعات سے غلط استنباطات کرے، خود ساختہ اصول کو عوام میں سیرت کا نام دے اور اس پر سارے لوگ خاموش رہیں کہ اگر بات کرو گے تو انتشار پیدا ہوگا، اس لیے سب خاموش رہو! سبحان اللہ العظیم!

شریعت میں اس طرح کی خاموشی کی ہرگز اجازت نہیں ہے اور یہاں شذوذ کو شذوذ کہنا، منکر کو منکر کہنا علمائے کرام پر فرض ہے، اگر وہ یہ فریضہ اصول اور آداب کا پابند بن کر کرتے ہیں تو اس کا نام غیبت دینا یہ بھی تحریف ہے، سمجھ لینا چاہیے کہ یہ غیبت نہیں ہے؛ بلکہ نصیحہ ہے، غیبت الگ چیز ہے، نصیحہ الگ چیز ہے، **النصیحۃ للہ ولرسولہ ولکتابہ وللمومنین** میں یہ بات شامل ہے کہ کوئی آدمی دین کے عنوان سے منکر بات کرے، کوئی آدمی دین کے عنوان سے شذوذ اختیار کرے، تو اس شذوذ کا شذوذ ہونا، اس منکر کا منکر ہونا دلائل کے ساتھ بیان کرنا، یہ نصیحہ کا حصہ

ہے، پورے عالم میں جہاں تک مجھے معلوم ہے اہلِ حق علمائے کرام کم وبیش یہ ذمے داری ادا کرر ہے ہیں۔

اب سوال یہ ہوتا ہے کہ بھائی! آج کل بنگلہ والی مسجد نظام الدّین میں جو اس کام کے ذمے دار بنے ہوئے ہیں وہ مسجد کے منبر ومحراب سے اور اس کے علاوہ عام اجتماعات یا جوڑوں میں جو بیانات کرر ہے ہیں، ان کے بیانات اور اُن کے افکار میں کیا کیا شذوذ ہیں، کیا کیا منکرات ہیں؟ اور سارے انحرافات کی بنیاد اور جڑ کیا ہے؟ اصل شذوذ کیا ہے؟ یہ ایک اہم اور علمی سوال ہے، اس پر علماء کو مع دلائل سنجیدگی کے ساتھ بات کرنا ضروری ہے، کوئی اشتعال انگیز بات نہ کرے، خلافِ دلیل بات نہ کرے، الزام تراشی نہ کرے، بلکہ دلائل کی روشنی میں سنجیدگی کے ساتھ اس پر بحث کرنا اہل علم کا فریضہ ہے، اس میں افراط بھی نہ چاہیے، تفریط بھی نہ چاہیے۔

بھائی! کہو گے کہ تنبیہ کرو گے تو انتشار ہوگا، اس لیے خاموش رہو! اگر سب خاموش رہے تو حق اور باطل میں خلط لازم آئے گا۔ تخلیط ہو جائے گی۔ یہ جائز نہیں ہے۔

اسلام میں کونسا اتفاق واتحاد مطلوب ہے؟

شریعت میں وہ الفت اور وہ اتفاق مطلوب ہی نہیں ہے، جس میں حق اور باطل کا امتیاز ختم ہو جاتا ہے، حق اور باطل کا امتیاز ضروری ہے، منکر اور معروف کے خلط ہونے کے وقت خاموشی اختیار کرنا ہرگز جائز نہیں ہے۔

اسی مناسبت سے علمائے کرام بات کر رہے ہیں، تو حضرت مولانا سعد صاحب حفظہ اللہ تعالیٰ ورعاہ، وہداہ اللہ تعالیٰ الی الطریق المستقیم، ان کے جو شذوذ اور فکری بے راہ روی قسم کی خطرناک چیزیں تو بہت ہیں، مثلاً غیبی باتیں بنانا، غیبی باتیں کر کے بدعتیوں کے لیے راستہ کھولنا، جو خطرناک فتنہ ہے۔

لیکن سب سے خطرناک چیز احداث ہے، وہ نئے نئے اصول بنا رہے ہیں، نئے نئے مسائل گھڑے جا رہے ہیں، بعض وہ گھڑتے ہیں، بعض ان کے لیے دوسرے لوگ گھڑتے ہیں، اوران کی طرف سے کوئی نکیر نہیں پائی جاتی۔

منکر کی تائید منکر سے اور شاذ کی تائید شاذ سے کی جارہی ہے

اب آدمی نئے احکام بنائے، یا اصول بنائے ہرصورت میں ان کو دلائل میں ضرور تحریف کرنا پڑے گی، اور وہی تحریفات چل رہی ہیں، اس لیے کہ جو آدمی کوئی شاذ رائے اختیار کرے گا، تو شاذ کی تائید میں صحیح بات کہاں ملے گی ان کو؟ شاذ کی تائید کرنے کے لیے جو لوگ بھی اٹھے، ان کو شذوذ ہی اختیار کرنا پڑا، ہوبہو سید ابو الاعلیٰ مودودی پر علمائے کرام کے جو اعتراضات تھے، ان اعتراضات کو دفع کرنے کے لیے مودودی صاحب کے ہم نوا لوگوں نے، ان کے حامیوں نے جو طریقہ اختیار کیا تھا، وہی طریقہ آج کل اختیار کیا جا رہا ہے مولانا محمد سعد صاحب کی غلط باتوں کی تاویل کرنے کے لیے، شاذ کی تائید شاذ سے، منکر کی تائید منکر سے، شاذ کی تائید زلات سے، یہ سلسلہ چل پڑا ہے! یہ بہت بڑی مصیبت ہے!

ترتیب اور اصول میں فرق

بات صرف یہ نہیں کہ وہ تبلیغ میں سابق تینوں اکابر کے زمانے میں جو ترتیب تھی، انھوں نے اس ترتیب میں کوئی فرق لانا چاہا، بات اگر صرف اتنی ہوتی پھر معاملہ اتنا سخت نہیں تھا کیونکہ ترتیب ایک چیز ہے اور اصول دوسری چیز ہے، ترتیب میں فرق مشورے سے ہوسکتا ہے، زور زبردستی سے نہیں، خود اپنی رائے سے بھی نہیں، ترتیب میں مشورہ سے فرق ہوسکتا ہے، کیونکہ ترتیب قابلِ تغیر ہے، ترتیب کا

معنیٰ کیا ہے پتہ ہے؟ مثلاً ظہر کا وقت زوال سے لے کر عصر تک لمبا ہے، لیکن ہماری اس مسجد میں نماز ایک بجے ہوگی یا پونے ایک بجے، ایک بجے ہوگی یا سوا ایک بجے، مشورہ کرلو، مشورہ کر کے طے کرلو، بھائی اس موسم میں ایک بجے، فلاں موسم میں سوا ایک بجے اور فلاں موسم میں ڈیڑھ بجے؛ لیکن خود اکیلا کرے گا کہ اہلِ مشورہ اور مصلیوں کو پتہ ہی نہیں، وقت بدل دیا، کیا یہ جائز ہے؟ آپ کو مشورہ کر کے طے کرنا پڑے گا، الّا یہ کہ اہلِ مشورہ نے کسی ایک فرد کو یہ طے کرنے کی ذمے داری سونپ دی ہو کہ وہی موسم اور حالات کے لحاظ سے طے کر دیا کرے تو الگ بات ہے، بہت سی مساجد میں ڈیڑھ بجے ہوتی ہے، ہمارے یہاں سوا ایک بجے ہوگی، کوئی حرج نہیں، مشورہ کر کے اگر سوا ایک طے ہوا تو ٹھیک ہے، اس کا نام ہے ترتیب۔

حاصل یہ ہے کہ ترتیب کا تعلق ان انتظامی امور سے ہے، جن میں متنوع مباح صورتیں موجود رہتی ہیں، جن میں حسب حال وموقع مشورے سے تبدیلی لائی جاسکتی ہے۔

ترتیب میں تبدیلی کے لیے مشورہ کیوں ضروری؟

ترتیب میں فرق مشورے سے ہوسکتا ہے، پہلے ایک طریقہ تھا، اب مشورے سے دوسرا طریقہ ہوسکتا ہے، مشورے کی قید کیوں؟ مشورے کی قید بہت وجوہ سے، ایک وجہ یہ ہے کہ جس ترتیب میں فائدہ نظر آ رہا ہے اس ترتیب کو خواہ مخواہ بدل دینا یہ شریعت کا مزاج نہیں، یہ شریعت کو پسند نہیں ہے، جب وہ ترتیب بھی مباح ہے اور یہ مجوّزہ ترتیب بھی مباح ہی ہے تو سابق ترتیب کو کیوں بدلو گے، وہ تو مجرب ترتیب ہے، اس میں برکت نظر آ رہی ہے، فائدہ نظر آ رہا ہے، اسے خواہ مخواہ کیوں بدل دو گے؟ مشورہ سے اگر ہو تو حقیقتِ حال سامنے آئے گی کہ واقعتہ اب فائدہ ان شاء اللہ نئی ترتیب ہی میں ہوگا، کیونکہ حالات اور ظروف کے لحاظ سے وہ ترتیب اس وقت

مناسب تھی، اب دوسری ترتیب مناسب ہے، مشورہ سے حالات سامنے آئیں گے، پھر نئی ترتیب نفسانی خواہشات کی بنیاد پر یا سوچے سمجھے بغیر یوں ہی نہیں ہوگی؛ بلکہ کوئی صالح ترتیب ہوگی، اسی لیے مشورے کی قید ہے۔ مشورے سے بدل سکتا ہے؛ کیونکہ یہ قابل تغیر ہے اور مشورہ ہر کس و ناکس کا معتبر نہیں ہے؛ بلکہ متعلقہ میدان کے اہل حل وعقد کے مشورے کا اعتبار ہوگا۔

مولانا سعد صاحب کے ایک خود ساختہ قاعدے کا تجزیہ

تو ترتیب تو مشورے سے بدلی جا سکتی ہے؛ لیکن اصول اور منہج نہیں بدلا جا سکتا؟ مولانا سعد صاحب نے صرف ترتیب پر ہاتھ نہیں رکھا، وہ اصول بدلنے لگے، اعلان کر کے ہو یا عملی طور پر ہو، وہ متفق علیہ اصول بدل رہے ہیں؛ بلکہ نئے اصول بنا رہے ہیں اور صاحب الرائے افراد سے مشورہ کے بغیر ترتیب بھی بدل رہے ہیں، ارے بھائی! اصول کیوں بدل رہے ہو؟ متفق علیہ اصول بدل رہے ہو، منصوص اصول بدل رہے ہو! کس بنیاد پر اصول بدل رہے ہو؟ نئے نئے اصول گھڑ رہے ہیں؛ بلکہ مسلمہ اصولوں کی تردید و انکار کر رہے ہیں، اکابر کے منہج کی تغلیط کر رہے ہیں اور ایسے اصول بنا رہے ہیں جو قواعدِ شریعت، مزاج شریعت کے خلاف ہے، مثلاً ملاحظہ فرمائیں، انھوں نے ایک قاعدہ بنایا ہے، جس سے اُن کی فکری بے راہ روی کو بہت حد تک سمجھا جا سکتا ہے، مولانا سعد صاحب حفظہ اللہ نے فرمایا:

> کام اور انتظام دو چیزیں ہیں الگ الگ، کام اور انتظام، کام تو سیرت کے تابع ہے، انتظام مشورے کے تابع ہے ۔۔، مشورے والے کام کے تابع ہیں اور انتظامی امور مشورے کے تابع ہیں ۔

(برطانیہ کے اجتماع مؤرخہ ۱۹/۱۰/۲۰۱۸ء کے بیان میں انھوں نے یہ بات کہی ہے، اس

بیان میں مشورے سے متعلق اور بھی عجیب عجیب باتیں انھوں نے کہی ہیں، معلوم ہوتا ہے کہ انتظامی امور اور شرعی امور دونوں کا صحیح مصداق بھی اُن کے ذہن میں مستحضر نہیں ہے اور اصول فقہ کے لحاظ سے منصوص اور غیر منصوص اور ان کے انواع و مراتب کا علم تو الگ رہا۔ (عبدالمالک)

یہ قاعدہ نیا ہے، پرانا نہیں، بالکل بدعتی اور محدَث قاعدہ ہے، یہ قاعدہ من احدث في امر نا هذا ماليس منه فهو رد میں شامل ہے، اور اسی قاعدے کی وجہ سے قرآن و حدیث میں تحریفات کا دروازہ کھلا ہے، اس قاعدے کے دونوں حصے قابلِ اعتراض ہیں، انھوں نے کہا، ایک ہے انتظام، ایک ہے کام، مشورہ ہوتا ہے انتظام میں، کام؟ کام تو سیرت کا تابع ہے۔ یعنی کام میں کوئی مشورہ نہیں، کسی اور مجلس میں انھوں نے کہا: مشورہ ہوتا ہے نظم کے لیے، صحابہ نے مشورے کیے نظم کے لیے، کام کے لیے نہیں کیے، کام تو منصوص ہے، منصوصات کا مشورہ نہیں ہوتا۔

یاد رکھیں! مروجہ تبلیغی نظام کو من وعن منصوص کہنا احداث فی الدین میں شامل ہے اور مولانا سعد صاحب کے تجدید کردہ نظام کو منصوص کہنا تو اور بھی خطرناک بدعت ہے۔

تو ان کا کہنا یہ ہے کہ کام میں مشورہ نہیں، کام سے مراد اعمال دعوت، تو اعمالِ دعوت میں مشورہ نہیں ہے، یہ سیرت کا تابع ہے۔ مشورہ ہوتا ہے انتظام میں۔

پہلی بات تو یہ ہے کہ اعمال دعوت سے آپ کہنا کیا چاہتے ہیں؟ اعمال دعوت سے آپ کونسے اعمال مراد لے رہے ہیں؟

اگر آپ کے نزدیک اعمال دعوت منصوص ہیں، تو کہاں ہیں آپ کے جاری کردہ امور پر صحیح اور صریح نصوص؟ آخر منصوص امور میں بھی تو فہم نص کے لیے متعلقہ حکم کی صحیح تطبیق سمجھنے کے لیے اہل علم سے مشورہ کرنا ہوتا ہے، کیا ہر نص ہر لحاظ سے قطعی الثبوت اور قطعی الدلالۃ ہوتی ہے کہ آپ یہ مطلق دعوی کرسکتے ہیں کہ منصوصات میں مشورہ نہیں! اور اگر اعمال دعوت سے آپ دعوت کا طریق کار اور آداب اور دعوت سے

متعلق حوادث ونوازل مراد لیتے ہیں تو اس میں مشورہ کرنا ضروری ہے، یہ تو شریعت کا ایسا بدیہی حکم ہے کہ اس میں تردد کرنے کوئی گنجائش ہی نہیں۔ سیرت ہی کا یہ فیصلہ ہے کہ دین کے مختلف شعبوں سے متعلق حوادث ونوازل میں مشورہ ضروری ہے، حدیث کی کتابوں میں کتنے مسائل ہیں جن میں خلفائے راشدین نے اکابر صحابہ اور بدری صحابیوں کو جمع کر کے باری باری مشورہ کرتے کہ فلاں حضرات آجائیں، پھر بلایا کہ فلاں حضرات آجائیں! حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ اور حضرت عمر رضی اللہ عنہ دینی امور میں، دینی مسائل میں کتنے اہتمام سے مشورہ کیا کرتے تھے۔

تو اعمالِ دعوت، شرعی اموراور دینی مسائل میں خلفائے راشدین کے دور میں، صحابہ کرام کے دور میں، تابعین کے دور میں مشورہ ہوتا رہا، امام ابوحنیفہؒ نے فقہ کی تدوین کی، مسائل کا استخراج کیا، اس کے لیے ان کے یہاں مجلسِ شوریٰ تھی اور یہاں کہا جارہا ہے کہ صرف انتظامی امور میں مشورہ ہے، شرعی اموراور اعمالِ دعوت میں مشورہ نہیں، یہ نیا مسئلہ بنایا گیا، نیا قاعدہ گھڑا گیا، بلا دلیل گھڑا گیا، صرف یہ نہیں کہ بلا دلیل ہے، بلکہ مخالفِ دلیل ہے، تعاملِ خلفائے راشدین وتوارثِ اکابرِ سلف کے علاوہ یہ تو حدیث شریف میں منصوص بھی ہے، حضرت علی کرّم اللہ وجہہ سے مروی ہے: قلت یا رسول اللہ إن نزل بنا أمر ليس فيه بيان أمر ولا نهي فما تأمرنا؟ فقال صلی الله عليه وسلم تشاورون الفقهاء والعابدين ولا تمضوا فيه رأي خاصة۔ رواه الطبرانی في معجم الاوسط (١٦٤١) قال الهيثمي في مجمع الزوائد ١/٧٨ رجاله موثقون من أهل الصحيح، وصححه السيوطي في مفتاح الجنة ص: ٤٠۔

اس حدیث کا حاصل یہ ہے کہ جس میں بھی نص صریح نہیں وہ محتاج مشورہ ہے، اس نوع کے شرعی اور علمی باتوں میں صالح اہل فقہ سے مشورہ کرنا ہوگا، اور محض انتظامی معاملہ میں صالح تجربہ کاروں سے مشورہ کرنا وہ تو وأمرهم شوریٰ بینهم کے عموم میں داخل ہے۔

اچھا! یہ تو فرمایا مولانا سعد صاحب نے، آگے کیا فرمایا؟ کام تو سیرت کے تابع ہے، اور مشورے والے کام کے تابع ہیں۔

بے شک اعمالِ دعوت ضرور سیرت کے تابع ہیں، سو مرتبہ، سو فی صد سیرت کے تابع ہیں، لیکن آپ کہنا کیا چاہتے ہیں؟ آپ نے تو اس کو مشورہ کے مقابلے میں رکھا ہے، یعنی آپ کہنا چاہتے ہیں کہ ان میں کوئی مشورہ نہیں ہے؟ حالانکہ جب یہ سیرت کے تابع ہیں، اس میں تو مشورہ اور زیادہ ضروری ہے؛ کیونکہ اعمالِ دعوت کا حل، دعوت سے متعلق جو نوازل و حوادث آتے رہیں گے ان کا حل تو سیرت سے لیں گے، اعمالِ دعوت کے اصول وضوابط اور آداب سیرت سے لیں گے، سوال یہ ہے کہ سیرت سے ان چیزوں کا حل کون لے گا؟ آپ تو اس دور کے لوگوں کو بتا رہے ہیں، آپ یہ بات اپنے عملہ کو بتا رہے ہیں۔ آج کے طلبہ اور عام عالموں کو کہہ رہے ہیں۔ کیا یہ لوگ مجتہدین ہیں؟ بھائی! غور کیجیے! حدیث تو عمل ہی کے لیے ہے، حدیث تو فقہ کا ماخذ ہی ہے، لیکن حدیث سے فقہ حاصل کرنے کے لیے کیا ہر آدمی کتبِ حدیث کھول کر اجتہاد کرنا شروع کر دے گا؟ کوئی بھی حدیث سے مسائل استنباط کر لے گا؟ فقہ حدیث کا تابع ہے، سُنّہ کا تابع ہے، کیا اس کا مطلب یہ ہے کہ اس میں کوئی مشورہ نہیں؟ جو کوئی آدمی حدیث کے حوالہ سے کچھ کہہ دے گا وہ سب کے لیے لازم ہو جائے گا؟ اسی طرح اعمالِ دعوت سیرت کے تابع ہونے کا معنی ہرگز یہ نہیں کہ اس میں مشورہ نہیں ہے؟ کوئی بھی مولانا صاحب سیرت کا نام لے کر جو بھی فیصلہ کر دے گا، کیا سب کو اس پر عمل کرنا واجب ہے؟ یہ تو عجیب بات ہوئی کہ سیرت سے کوئی بھی کچھ لے لے، آج کوئی سیرت سے کتاب الجہاد کے ابواب اٹھا لے، اور کہہ دے گا، بھائی! ہر طاغوت کے خلاف فوراً جہاد کا اعلان ہو جانا چاہیے۔ آپ کیا کہیں گے ان سے؟ آپ تو یہی کہیں گے، بھائی! دیکھو! ان احکام کی تطبیق کی شرائط

ہیں، اصول ہیں، آداب ہیں، ان کی رعایت کرنا ضروری ہے،تو یہ کہاں سے کہیں گے؟ وہ تو فقہائے کرام سے لیں گے نا؟ تو دعوت کے اصول جب سیرت کے تابع ہیں تو روایاتِ سیرت سے اعمالِ دعوت کے مسائل حل کرنے کے لیے آپ کو دعاۃ ِ امت اور فقیہ عالموں کی طرف رجوع کرنا پڑے گا، فقہائے امت کی طرف رجوع کرنا پڑے گا، موجودہ جو فقہاء اور دعاۃ ہیں ان سے مشورہ کرنا پڑے گا! کیوں؟

سیرت سے دعوت کے اموراخذ کرنے میں

تین مرحلے سے گذرنا ضروری ہے

اگر سیرت سے آپ دعوت کے اصول واعمال، طریقے اور آداب لینا چاہیں گے تو آپ کو کم ازکم تین مراحل سے گذرنا پڑے گا، کم از کم تین کام کرنے پڑیں گے:

پہلا کام جمع روایات سیرت

ایک کام جمعِ روایاتِ سیرت، کسی موضوع پر آپ سیرت کا اُسوہ اور فیصلہ لینا چاہتے ہیں کہ اس بارے میں سیرت کی کیا راہنمائی ہے، تو اس کے لیے سیرت کی روایات جمع کرنی پڑیں گی، کیا سیرت کی سب کی سب روایات حیاۃ الصحابہ میں ہیں؟ حضرت جی مولانا یوسف صاحب رحمۃ اللہ کے بیانات میں ہیں؟ ہرگزنہیں، سیرت کی کتاب کونسی ہے؟ سیرت کے نام پر جو کتابیں ہیں کیا صرف وہی ہیں سیرت کی کتابیں؟ کیا ساری کتبِ حدیث سیرت کی کتابیں نہیں ہیں؟۔

ان کے علاوہ متقدّمین کی جتنی تواریخ ہیں سب سیرت کی کتابیں ہیں، صدرِ اوّل کی تاریخ سب سیرت کی کتابیں ہیں، تو اب ایک موضوع پر سیرت میں کیا کیا

موادموجود ہے، وہ صرف حیاۃ الصحابہ پڑھنے سے، حیاۃ الصحابہ کی تعلیم کرنے سے معلوم ہو جائے گا کسی کو؟ بلکہ سیکڑوں کتابوں کی ضرورت ہوتی ہے، یہ نہیں کہ تمام روایتوں کا ایک آدمی کو معلوم ہونا ضروری ہے، لیکن مشورہ کریں گے تو دوسرے حضرات سے بالواسطہ یا بلاواسطہ معلوم ہو جائے گی، اہلِ فن کی طرف مراجعت کریں گے، معلوم ہو جائے گی، لیکن آپ تو اصول بنا رہیں کہ کوئی مشورہ نہیں، سیرت سے ہم لیں گے، ارے! سیرت کا دائرہ کتنا بڑا ہے آپ کو پتہ ہے؟ سیرت کا دائرہ تو بہت وسیع ہے، پورے دائرے پر آپ کی نظر ہے؟ جب اہلِ فن کی طرف رجوع کریں گے، باخبر اور ذی علم لوگوں سے مشورہ کریں گے پھر پتہ چلے گا؛ لیکن آپ تو دعوت کے اصول اور طریقہ کار میں مشورہ کا دروازہ ہی بند کر رہے ہیں کہ انتظام میں مشورہ ہے، اعمالِ دعوت میں کوئی مشورہ نہیں؟

تو پہلا کام جمعِ روایاتِ سیرت، جمعِ تعلیماتِ سیرت اور وہ اہلِ فن کی طرف رجوع کیے بغیر، اہلِ علم سے مشورہ کیے بغیر ناقص رہے گا، غلط نتیجہ نکلے گا، سب روایات جمع ہو تو ایک نتیجہ نکلے گا، لیکن ایک موضوع پر دو تین روایتیں لے لیں، باقی چھوڑ دی، باقی کا پتہ نہیں چلا تو کچھ اور نتیجہ نکلے گا۔

دوسرا کام سیرت کی روایات کی تحقیق و تنقیح

دوسرا کام جو کرنا پڑے گا: جو روایات جمع ہوئیں ان کی تحقیق و تنقیح، ان سے قابلِ استدلال اور قابلِ عمل روایات کا انتخاب، صحیح، ضعیف، ضعیف جدّا، منکر، مطروح، واہی، موضوع تعیین کرنا پڑے گا، کیونکہ سیرت کی کتابوں میں عموماً ہر قسم کی روایات موجود ہوتی ہیں، حیاۃ الصحابہ میں بھی منکر روایات ضعیف جدّا روایات بکثرت موجود ہیں، حضرتؒ نے نہیں فرمایا کہ میں نے اس کتاب میں صحت کی شرط کی ہے۔

تو آپ اگر سیرت کی روایات سے دعوت کے اصول لینا چاہتے ہیں، آدابِ دعوت لینا چاہتے ہیں تو پہلے تحقیق کرنا پڑے گی کہ یہ روایت صحیح ہے، حسن ہے یا کم از کم صالح للعمل تو ضرور ہے۔ روایت، منکر ہو، مطروح ہو، واہی ہو، موضوع ہو، تو اس سے آپ ہدایت نہیں لے سکیں گے، کیونکہ ایسی روایت سیرت نبویہ کا حصہ نہیں ہے۔

روایات کی تحقیق نہ کرنے کی وجہ سے ایک کھلی غلطی

مولانا سعد صاحب نے مجمع عام میں کتنی بار کہا کہ تعلیم قرآن پر اجرت لینے والوں سے پہلے زانی لوگ جنت میں چلے جائیں گے، یہ غلط فہمی آثار صحابہ کی تحقیق و تنقیح نہ کرنے سے ہوئی، مولانا نے یہ بات کہاں سے کہی؟ کہتے ہیں کہ یہ تو حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے کہا ہے! ارے۔ عمر رضی اللہ عنہ نے کہاں فرمایا ہے؟ کیسے آپ کو پتہ چلا کہ انھوں نے ایسی بات فرمائی ہے؟ کہا کہ حیاۃ الصحابہ میں ایک روایت آئی ہے، ٹھیک ہے۔ کھولو پہلے حیاۃ الصحابہ، وہاں کنز العمال سے نقل کی، کنز العمال میں الجامع لاخلاق الراوی وآداب السامع خطیب بغدادی سے نقل کی، اس کی مراجعت کرو، اس میں سند دیکھو متن دیکھو، اس میں ہے 'دناۃ'، 'زناۃ' نہیں، کیا ہے؟ 'دناۃ'، اچھا کسی اور کتاب کے مطبوعہ نسخے میں آپ نے 'زناۃ' دیکھا، حالاں کہ اس کا مخطوطہ اگر غور سے پڑھا جائے تو وہاں بھی 'دناۃ' ہے۔

یہ تو ہے لفظ کی بات؛ لیکن سند میں 'معلّیٰ بن ہلال' ہے، جو متّہم بالکذب راوی ہے، کذّاب راوی ہے، اس کذّاب راوی کے موجود ہوتے ہوئے اس کو عمر رضی اللہ عنہ کی طرف نسبت کرنا کیا جائز ہے؟ ہرگز جائز نہیں۔

موضوع روایت سنا رہے ہیں اور دعوی کر رہے ہیں سیرت سنانے کا

تو یہ منکر روایت، موضوع روایت، اس کو آپ صحیح سمجھ کر علانیہ اسے بیان کر رہے ہیں اجتماعات میں، اور دعوی کر رہے ہیں کہ ہم سیرت سنا رہے ہیں لوگوں کو، حالانکہ یہ سیرت کا حصہ نہیں ہے، یہ موضوع ہے، متہم راوی کی روایت ہے، سیرت کا حصہ نہیں ہے۔ تو اگر روایت کی تمیز نہ ہوگی، تو آدمی سیرت کے نام پر کذابین کی باتوں کو سنا دے گا، کذّابین کی باتوں سے دعوت کے اصول وآداب اور احکام نکالتے رہیں گے، اور کہتے رہیں گے، بھائی! ہم تو کام کو سیرت کے نہج پر لانا چاہتے ہیں، سیرت کے نہج پر لانا چاہتے ہو، تو پہلے اصولِ جرح وتعدیل اور اصولِ تصحیح وتضعیف کی بنیاد پر روایات کی تمیز ہو اور آپ جب صاحبِ فن نہیں ہیں، اگر آپ صاحبِ فن بھی ہوتے تب بھی آپ کی اکیلی رائے پوری امت کے لیے حجت نہیں ہوتی، صاحبِ فن بھی تو دوسرے اہلِ علم سے مشورہ کرتے ہیں، پھر آپ جب صاحبِ فن نہیں ہیں تو آپ کو تو ضرور مشورہ کرنا پڑے گا، اہلِ فن کی طرف مراجعت کرنا پڑے گی؛ لیکن آپ نے تو راستہ بند کر دیا کہ ان امور میں مشورہ نہیں ہے، مشورہ ہوتا ہے صرف انتظام میں!

تیسرا کام واقعات سیرت کی تطبیق میں فقہائے امت کی طرف رجوع

تیسرا کام جو کرنا پڑے گا، روایت صحیح ہے، قابلِ احتجاج ہے، قابلِ استدلال ہے، صحیح ہو، یا حسن، یا ضعیف بالشرائط ہو، جو بھی ہو، جس سے آداب لینا ہے، جس سے احکام لینا ہے احکام لیں گے، جو جس معیار کا ہو، لیکن بات یہ ہے کہ اس روایت میں ہمارے مسئلے کا حل ہے کہ نہیں؟ ہمارے نازلہ اور حادثہ پر یہ روایت کیا روشنی ڈالتی

ہے؟اس کی روشنی میں یہاں کیا مسئلہ مستنبط ہوتا ہے؟ یہ تو فقہ السیر ۃ کا مسئلہ ہے۔فقہ الحدیث کے لیے جس طرح فقہاء کی طرف رجوع کرنا پڑتا ہے،اسی طرح فقہ السیر ۃ کے لیے بھی فقہائے امت،فقہائے دعاۃ،صلحائے امت کی طرف رجوع کرنا پڑے گا،ان سے مشورہ کرنا پڑے گا،آپ اگر کہیں گے کہ صرف انتظام میں مشورہ ہوتا ہے،کام یعنی اعمال دعوت،اصول دعوت میں کوئی مشورہ نہیں،اعمالِ دعوت سیرت کے تابع ہیں۔تو سیرت سے اعمالِ دعوت کو لینے کے لیے کم از کم ان تین مراحل سے گذرنا پڑے گا۔اور یہ تین مراحل ایسے ہیں جن میں اہل فن کی طرف رجوع کرنا،اہل علم سے مشورہ لینا ضروری ہے۔اس کے بغیر اگر اکیلا آدمی کرے تو اکیلا اگر نااہل ہوتو تو خسارہ ہی خسارہ ہے۔اور اگر وہ اہل بھی ہوتو یہ ان کی ایک ذاتی رائے ہوگی،ذاتی اجتہاد ہوگا۔کیا ذاتی اجتہاد کو براہِ راست سیرت کا نام دے دو گے؟

فہم فلان فی السیر ۃ اور اُسوۃ السیر ۃ بعینہا میں فرق

فہم فلان فی السیر ۃ ایک چیز ہے اور اُسوۃ السیر ۃ بعینہا دوسری چیز،ان دونوں چیزوں کے درمیان فرق ہے۔امام طحاویؒ اور امام جصاصؒ وغیرہ نے بار ہا اس پر بحث کی ہے،امام طحاویؒ نے اس بارے میں شرح معانی الآ ثار(باب ما یلبس المحرم من الثیاب)میں نہایت ہی قیمتی بات ارشاد فرمائی،انھوں نے فرمایا:

وإنما وقع الخلاف بيننا وبينكم في التأويل لا في نفس الحديث، لأننا قد صرفنا الحديث إلى وجه يحتمله، فاعرفوا موضع خلاف التأويل من موضع خلاف الحديث، فإنهما مختلفان، ولا توجبوا على من خالف تأولكم خلافا لذالك الحديث۔ (شرح معانی الآثار ۲/۴۷ ۲، شركة القدس للنشر والتوزيع)

امام طحاویؒ کے اس ارشاد کا حاصل یہ ہے کہ ایک ہے حدیث کی سمجھ جو آپ نے

کسی حدیث سے سمجھا، اور ایک ہے براہ راست نفسِ حدیث، دونوں میں فرق کرو! کوئی حدیث بالکل اگر نصِ صریح ہو تو ایک چیز ہے، وہ تو عینِ نصِّ رسول اللہ ہے اور ایک حدیث ہے قابلِ تفسیر اور قابلِ تاویل، جس میں ایک سے زائد معنی کا احتمال ہے، جس وجہ سے استنباط میں بھی اختلاف ہو جائے گا، آپ نے ایک استنباط کو اختیار کیا، ایک معنی کو اختیار کیا، تو یہ آپ کا اجتہاد ہے (اگر آپ صاحب اجتہاد ہوں تو) وہ اجتہاد بے شک حدیث پر مبنی ہے، لیکن عینِ حدیث نہیں، عینِ سیرت نہیں ہے، جو آدمی سیرت کی کسی روایت پر مبنی اپنے اجتہاد کو ''عین سیرت'' قرار دیتا ہے وہ غلو کرتا ہے۔ اس کو اجتہاد مبنی بر سیرت کا نام دینا چاہیے، یہ نہیں کہ اسے عینِ سیرت کہا جائے، مشورہ کرنے سے کم از کم اتنا فائدہ تو ہو گا کہ اس غلو سے بچ جائیں گے، سیرت سے ماخوذ اپنے خیال کو عین سیرت قرار دینے کے غلو سے ان شاء اللہ بچ جائیں گے، اگر آپ مشورہ نہ کریں گے اور کہیں گے کہ کام سیرت کا تابع ہے، اس کا معنی یہ ہے کہ سیرت کے جمع روایات کا کام بھی اپنا، جتنا آپ کو معلوم ہے اتنا، انتخاب بھی جتنا آپ کو معلوم ہے اتنا، اور فہم بھی وہ جو آپ کی فہم ہے۔ تو جو غلط ہے وہ بھی سیرت کی طرف منسوب ہے اور جو ذاتی اجتہاد ہے اسے بھی عین سیرت کا نام دے دیا، کیا یہ انصاف ہے؟ ہر چیز کے مراتب درست ہونا چاہیے۔ تو اب دعویٰ کیا ہے؟ کام سیرت کا تابع ہے! لیکن اگر وہ اہل فن کی طرف رجوع نہ کرے اور قابلِ مشورہ چیزوں میں مشورہ نہ کرے ان چیزوں کو مشورہ سے خارج کر کے صرف اپنے اوپر منحصر کر دے تو اس کا حاصل کیا ہو گا؟ نتیجہ کیا نکلے گا؟ نتیجہ یہ نکلے گا کہ بھائی! مشورہ ہوتا ہے صرف انتظام میں، کام؟ کام تو سیرت کا تابع ہے؛ یعنی:

کام سعد کا تابع ہے، سعد کا انتخاب، سعد کا اجتہاد، سعد کی فہم اور سعد کے معلومات کے تابع ہے۔ عنوان ہے ''کام سیرت کا تابع ہے'' حالانکہ دراصل کام سعد کا تابع ہے!

انصاف سے سنیے، انصاف سے غور فرمایئے! اگر اعمالِ دعوت، اصول دعوت اور امورِ شریعت میں مشورہ کی ضرورت نہیں تو ان چیزوں میں مولانا سعد کی ضرورت کیوں پڑتی ہے؟ اگر ان چیزوں میں مولانا سعد کی ضرورت پڑتی ہے تو ان چیزوں میں مشورہ کی بھی ضرورت پڑے گی اور ہر کس و ناکس کا مشورہ معتبر نہیں ہوگا؛ بلکہ اہل فن کا مشورہ معتبر سمجھا جائے گا، افسوس! یہ کیا نیا قاعدہ ایجاد کیا کہ ذمے دار کی ضرورت ہے مگر مشورے کی ضرورت نہیں!!

وقت نہیں ورنہ ان شاء اللہ تفصیل سے عرض کرتا کہ کام کو سیرت پر لانے کے نام سے جو کچھ نیا اضافہ یا جو کچھ تبدیلی لائی گئی سب کا حاصل یہی ہے کہ یا تو متعلقہ دیگر روایات سے بے خبری، یا منکر و معلول کو صحیح سمجھنا یا روایت کا مفہوم غلط سمجھنا اور اصول فقہ میں دسترس نہ ہونے کی وجہ سے غلط استنباط میں واقع ہو کر کسی مباح کو ممنوع اور کسی اور مباح کو فرض یا واجب کہنا، عین سیرت کہنا، مجھے معلوم نہیں کہ سیرت کے نام پر ان کی متنازع فیہ تجدید میں کوئی مثال ان صورتوں سے باہر پائی جاتی ہو، کسی کے پاس ہو تو وہ بتا سکتا ہے۔

پھر یہ بھی تو سوچنا چاہیے کہ وہ کن کے مقابلے میں تجدید کا دعوی کر رہے ہیں، اور اس دعوی کے در پردہ شعوری یا غیر شعوری طور پر کن کی تجہیل یا تضلیل کر رہے ہیں!

تو ہم دعا کرتے ہیں اللہ تعالی مولانا سعد صاحب کو فکری بے راہ روی سے محفوظ رکھے۔ یہ میرا لفظ نہیں ہے، فکری بے راہ روی آپ کو معلوم ہے، دار العلوم دیوبند کی جو آخری وضاحتی تحریر ہے، اس میں یہ لفظ ہے، کہ مولانا فکری بے راہ روی کا شکار ہو گئے، مولانا سعد صاحب فکری بے راہ روی سے واپس آئیں گے پھر ہی ان پر اطمینان ہو سکتا ہے، اللہ تعالی انہیں اس فکری بے راہ روی سے واپس لائے! ہم ان کے لیے دعا کرتے ہیں اور جو لوگ ان کے اطاعت کے نام سے، آپ کے یہاں کیا

اصطلاح ہے معلوم نہیں، ہمارے یہاں تو اصطلاح بنا دیا اطاعتی، جب تک اکابر ثلاثہ تھے اور کام تھا صحیح نہج پر، اس وقت یہ نام نہیں تھا، اب جب غلط راستے پر جانے لگے تو اب اطاعتی نام آ گیا، یعنی جب اطاعت کے اصول موجود تھے، معیار موجود تھا، اس وقت نام نہیں آیا سامنے، اب جب اطاعت کا معیار ختم ہو گیا، اب تاکید کی جارہی ہے شخصی اطاعت کی اور مکان کی اطاعت کی، انا للہ، شریعت کا حکم تو یہ ہے کہ **انما الطاعة فی المعروف** یہ نہیں کہ غیر مجتہد اجتہاد شروع کردے، یہ نہیں کہ فکری بے راہ روی کی بنیاد پر یکے بعد دیگر نئی نئی باتیں، نیا نیا شوشا چھوڑتا جائے کوئی اور سب خاموش رہیں اور عوام یہ کہنا شروع کردے کہ بھائی اطاعت واجب ہے، یاد رکھیں یہ طرزِ فکر اور یہ طریق کار بالکل خلاف شریعت ہے۔

کفر بواح سے پہلے خروج جائز نہیں، اس کا صحیح مطلب

اب یہ لوگ کہنے لگے کہ: کفر بواح سے پہلے خروج جائز نہیں! معلوم نہیں کہ ان کو اس مسئلہ کی حقیقت بھی معلوم ہے کہ نہیں، پہلی بات یہ کہ یہ مسئلہ کس امیر کے بارے میں ہے؟ یہ ہے امیر المومنین اور سلطان وقت کے بارے میں، دوسری بات یہ ہے کہ خروج علی الأمیر اور خروج من عند الأمیر إظهارا للبرائة من منكراته وأهوائه - دونوں ایک بات نہیں اور نہ ان دونوں کا حکم ایک ہے، تیسری بات یہ ہے کہ کفر بواح سے پہلے خروج علی السلطان اگرچہ ناجائز ہے لیکن بشرط قدرت اس پر زبانی نکیر واجب ہے، أفضل الجهاد كلمة حق عند سلطان جائر یہ حدیث کسے معلوم نہیں، جہاں تک اطاعت کا مسئلہ ہے تو شریعت میں إنما الطاعة في المعروف کا قاعدہ کلیہ بڑے سے بڑے خلیفۃ المسلمین کے بارے میں بھی جاری ہے۔

الغرض یہ لوگ خلطِ مبحث کرتے ہیں، ہمیں جاننا چاہیے کہ خروج کا مسئلہ نفیا یا

اثباتاً کسی تحریک کے امیر کے بارے میں زیر بحث نہیں آیا، خروج کا مسئلہ امامتِ عامہ اور خلافت وامارتِ قاہرہ کے بارے میں زیر بحث آیا ہے، کسی تحریک یا جماعت کی امیر کے بارے میں خروج علی الائمۃ کا مسئلہ منصوص ہے ہی نہیں!

دیکھو کہاں سے اٹھا کر لے آیا۔ امیر المؤمنین اور خلیفۃ المسلمین کے خلاف خروج کا مسئلہ لے آئے یہاں دینی جماعت کے دینی ذمے دار کے بارے میں۔ پھر مزید تحریف کر کے خروج کی ممانعت کو مطلق نکیر پر جاری کر دی، کہ خروج علی الأمیر ممنوع تو ان کے منکرات اور ان کے شذوذ پر نکیر بھی ممنوع! حالانکہ کسی دینی جماعت کا دینی ذمے دار منہاج اہل السنہ سے باہر کچھ بھی کہے وہاں روکنا ضروری ہے، ورنہ شریعت کی تحریف لازم آئے گی۔

یہاں ضمناً یہ بھی عرض کردوں کہ الخلافۃ علی منہاج النبوۃ اور امارتِ عادلہ ختم ہو جانے کے بعد امراء کا اصل کام دینی رہبری نہیں رہی، لوگ سمجھ گئے کہ یہ دینی رہبری کے لائق نہیں ہیں۔ دینی رہبری لوگ لیتے ہیں ائمہ سے، علماء اور صلحاء سے۔ اور انتظامی امور رہ گئے امراء وسلاطین کے لئے، جیسے راستے بناؤ، سڑک بناؤ، پل بناؤ، کسی پر ظلم ہو رہا ہے اسے ظلم سے بچاؤ، اب یہ انکا اصل کام ہے، اس لیے کہا جاتا ہے کہ یہ کام جو وہ کر رہے ہیں ضروری ہیں، اس کے خلاف خروج نہ کرو، رہا اطاعت کا مسئلہ تو شریعت کا حکم یہ ہے کہ انما الطاعۃ فی المعروف معروف چیز میں ان کی اطاعت کرو، لیکن دینی امور، شرعی احکام، دینی رہبری وہ قابلِ اقتداء علماء اور قابلِ اقتداء صلحاء سے لو، تو امراء وسلاطین کے خلاف خروج نہ کرو! کیونکہ ان سے فائدہ ہو رہا ہے، نظم وضبط اور انتظام کا فائدہ ان سے ہو رہا ہے، اس لئے ان کے خلاف خروج نہ کرو جب تک وہ کفر بواح کا ارتکاب نہ کرے، یہ مسئلہ امیر المؤمنین اور خلیفۃ المسلمین کا ہے، لیکن افسوس کہ اس کو لے آئے دینی تحریک کے دینی ذمے دار کے بارے میں، یہ تحریف ہے، مگر ان تحریف

کرنے والوں نے نہیں سوچا کہ جن کے خلاف کفر بواح کے بغیر خروج جائز نہیں ہے، ان کی بھی تو اطاعت جائز نہیں غیر معروف میں۔ منکر میں امیر المؤمنین، خلیفۃ المسلمین کی اطاعت بھی بالکل جائز نہیں؛ انما الطاعۃ فی المعروف۔ یہ الگ بات ہے کہ کسی خلیفہ راشد نے معاذ اللہ کسی منکر کا حکم ہی نہیں کیا ہے۔

لیکن یہ لوگ تو ہمارے یہاں دینی جماعت کے دینی ذمے دار کی اطاعت کو بھی مطلق قرار دے رہے ہیں!! کیا کیا نئے نئے مسائل بنا رہے ہیں! بات یوں بھی واضح ہے، اس لیے کہ اگر کفر بواح تک خاموش رہے تو وہ دین کو مسخ ہی کر دے گا، کفر بواح سے پہلے تک جتنی گمراہیاں ہیں سب بیان کرتے رہیں گے، ایک ایک بات آتی رہے گی، سب خاموش، کیونکہ کفر بواح تو نہیں ہوا اب تک، فرمائیے کہ دین کی تبدیل وتحریف کی اس سے زیادہ خطرناک صورت اور کیا ہوسکتی ہے! اور اس بحث میں تو ابھی ہم داخل ہی نہیں ہوئے کہ موصوف کی امارت شرعی طریقے سے منعقد ہوئی کہ نہیں، وہ تو مستقل بحث ہے۔

بس اللہ تعالی ہمیں صحیح سمجھ عطا فرمائے، میں نے پہلے ہی کہا، اشتعال انگیز باتوں سے پرہیز کریں اور الساکت عن الحق بننے سے بھی پرہیز کریں! حق کہیں، لیکن حق طریقے سے کہیں! زبان درازی، سب وشتم، استہزاء، تمسخر، تنابز بالالقاب ان چیزوں سے ہم بچیں، بہتان سے بچیں، لیکن حق باتوں کو حق طریقہ سے صحیح طریقے سے کہنا ہے، منوانا ہمارا کام نہیں، سنجیدگی کے ساتھ کہتے جانا اور خود حق پر جمے رہنا یہ ذمہ داری ہے ہماری۔

بات لمبی ہوگئی، دار العلوم دیوبند کی اس تحریر میں بتایا گیا کہ

رجوع کے بعد بھی مولانا محمد سعد صاحب کی فکری بے راہ روی سے صرف نظر نہیں کیا جاسکتا، اس لیے کہ کئی بار رجوع کے بعد بھی وقتاً فوقتاً مولانا کے ایسے نئے بیانات موصول ہو رہے ہیں، جن میں وہی مجتہدانہ انداز، غلط استدلالات اور دعوت سے متعلق اپنی ایک مخصوص

فکر پر نصوصِ شرعیہ کا غلط انطباق نمایاں ہیں، جس کی وجہ سے خدّام دار العلوم ہی نہیں بلکہ دیگر علمائے حق کو بھی مولانا کی مجموعی فکر سے سخت قسم کی بے اطمینانی ہے۔

آگے فرمایا:

ہمارا یہ ماننا ہے کہ اکابر رحمہم اللہ کی فکر سے معمولی انحراف بھی شدید نقصان دہ ہے، مولانا کو اپنے بیان میں محتاط انداز اختیار کرنا چاہیے، اور اسلاف کے طریقے پر گامزن رہتے ہوئے نصوصِ شرعیہ سے ذاتی اجتہادات کا سلسلہ بند کرنا چاہیے، کیونکہ مولانا موصوف کے ان دور از کار اجتہادات سے ایسا لگتا ہے کہ خدانخواستہ وہ کسی ایسی جدید جماعت کی تشکیل کے در پے ہیں جو اہل السنۃ والجماعۃ اور خاص طور پر اپنے اکابر کے مسلک سے مختلف ہوگی۔

دار العلوم کی تحریر ۱۳ / جمادی الاولی ۱۴۳۹ھ (مطابق ۱۳ جنوری ۲۰۱۸) کی ہے، اس تحریر کے بعد اب تک ایک سال ہی تو گذرا ہے، اگر مولانا سعد صاحب حفظہ اللہ کے صرف اسی ایک سال کے بیانات سنے جائیں تو حیران ہونا پڑتا ہے کہ ان کا مجتہدانہ انداز حدود سے تجاوز کرتے کرتے کہاں تک جا پہنچا ہے، وفاق الہند کا مرتب کردہ مجموعہ مولانا محمد سعد صاحب کے ۲۰۱۸ کے چند بیانات علمائے کرام کی خدمت میں پر نظر ڈالا جائے تو دار العلوم کی تشخیص کردہ امراض ثلاثہ کی بہت سی نظیریں ایک ساتھ مل جائیں گی۔

مولانا سعد صاحب کے انحراف اور شذوذ کا خلاصہ

تو یہ سوال کہ مولانا سعد صاحب حفظہ اللہ کا اصل شذوذ کیا ہے اس سوال کا جواب مذکورہ بیان اور دار العلوم کی اس تحریر اور سابقہ تحریروں میں مذکور ہے، جس کا خلاصہ بندہ کی عبارت میں یہ ہے:

قلتِ علم اور طبیعت کی آزادی کے باوجود اپنے دائرۂ علم سے باہر جا کر اہل فن سے مراجعت کیے بغیر محض اپنی فہم سے قرآن وحدیث کی تفسیر اور دینی امور کی تشریح

میں بے جا دخل اندازی کرنا اور وہ بھی مجتہدانہ انداز سے، یہی وہ اصل شذوذ ہے جس میں مبتلا ہونے کی وجہ سے شاذ اور منکر اقوال و آراء، اور غلط و گمراہ کن افکار و نظریات یکے بعد دیگرے مسلسل سامنے آرہے ہیں، اللہ تعالی ہمیں طریقہ سلف پر ثابت قدم رکھے اور ہر قسم کے شذوذ سے ہماری حفاظت فرمائے، اور جو حضرات شذوذ اختیار کیے ہوئے ہیں، ان کے لیے ہم دعا کرتے ہیں کہ اللہ تعالی انکو راہ راست پر آنے کی توفیق عطا فرمائے، اللہ تعالی ان سب کو فکری بے راہ روی سے ہٹا کر راہِ راست پر لے آئے۔ وآخر دعوانا ان الحمد للہ رب العالمین۔